بَرِّصغیر میں اِسلامی ثقافت کی تشکیل میں سید ہجویریؒ کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد
سابق ڈین و پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور
ڈاکٹر ثمن زاہد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین کوٹ خواجہ سعید، لاہور

ROLE OF ALI HUJVERI IN SHAPING
ISLAMIC CULTURE IN SUBCONTINENT

Ismatullah Zahid, PhD
Former Dean/Principal Oriental College, Lahore

Saman Zahid, PhD
Principal Govt. Degree College (W)
Kot Khawja Saeed, Lahore

Abstract

Before the advent of Islam into the Subcontinent, the local culture and civilization was chiefly marred with the evils and illnesses detrimental to prosperity of all members of the society. With the introduction to new light of Islam, the populace shunned the vices and adopted good morals. But it were the Sufis especially Hazrat Ali Hujveri who brought revolution in the mannerism of the locals and helped shaping an Islamic culture in the Subcontinent. The article sheds light on the role of Hazrat Ali Hujveri in shaping the Islamic culture in the Subcontinent.

Keywords:

مکہ مکرمہ، برصغیر، لاہور، شیخ صدرالدین عارف، سید علی ہجویری، اسلامی ثقافت

لفظِ ثقافت اپنے اندر ایک معنوی جہاں لیے ہوئے ہے۔ کسی بھی دور یا کسی بھی خطے کے لحاظ سے ثقافت اور تہذیب باہم ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرتی ہیں۔ کبھی تہذیب وثقافت مترادف معنیٰ میں شمار ہوتے ہیں اور کبھی یہ دونوں الفاظ اپنی علیحدہ شناخت اور اپنے جداگانہ تأثر کے ساتھ تاریخ وادب کی دنیا میں اہلِ علم کے وظیفۂ تحقیق کا حصہ بنتے ہیں۔ اسی لیے زمانہ ہائے قدیم سے لے کر عصرِ رواں تک تہذیب وثقافت کے بارے میں اہلِ فکر وعلم اپنی آرا کو مختلف زاویوں میں سموتے آئے ہیں۔

ایک ثقافت وہ ہے جو انسان اپنی حدود و قیودِ فکری سے مرتب کرتا ہے اور روایت کے تسلسل کی پاسداری کرتے ہوئے اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔ فلاح کی اقدار اور شعور کے معیار انھی روایات کے تسلسل سے برآمد ہوتے ہیں۔ البتہ جب کوئی فکری اور اعتقادی لحاظ سے قدآور شخصیت اپنے کمالِ علم اور پیغامِ اِصلاح کے ساتھ اپنے عملی وجود کی روشنی سے سماج کو نئی جہات سے آگاہ کرتی ہے تو پھر معاشرتی تہذیب وثقافت میں تبدیلی اور جدّت کے قابلِ احساس آثار نظر آتے ہیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کا فکری اور اعتقادی مصدر ومنبع قرآن کریم کی تعلیمات اور سیّد عالم حضرتِ محمد مصطفےٰ ﷺ کی روشن اور منور ذات گرامی، آپ کا قولِ مبارک، آپ کا فعلِ اقدس، آپ کی پسندیدگی، وہ بنیادی اصولِ فکر واعتقاد اور اصولِ اعمال ہیں جن سے زمان ومکان بغیر کسی جغرافیائی قیود کے تہذیبی وثقافتی نشو ونما پا رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے لیکر مدینہ عالیہ کی مقامی ثقافت وتہذیب میں جب وحی کی روشنی اُترتی ہے تو ایک نئی فلاحی انسانی تہذیب عالمِ انسانیت کی جانب روانہ ہوتی ہے۔ اسلام کا نظامِ خلافت و سیاست تاریخِ انسانی کا وہ تجریدی دور ہے جس نے نظری اور فکری ثقافت میں انقلاب برپا کیا اور جہاں جہاں اس کے مبارک اثرات پہنچے وہاں وہاں انسانی معاشروں میں تہذیبی وثقافتی بیداری ہوتی چلی گئی۔ علم وفنون قومیتوں سے دوسری قومیتوں تک منتقل ہوئے۔ باہمی تبادلۂ فکر، معاشرتی اقدار اور عادات و رسوم ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں۔ دوسری طرف روحانی تربیت کے دبستان وجود میں آئے جن سے معاشرے کے باطنی تزکیے کی راہیں روشن ہوئیں اور منزلِ ابدیت کا احساس اجاگر ہوا اور ہر ملک، ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست کا منشورِ ایمانی ملتِ اسلامیہ کے جہاں دیدہ اور دانشِ روحانی کے حامل افراد کا حرفِ پیغام بن گیا۔ جہاں ذات پات کی تقسیم اور مذہب کی طبقاتی جہتوں میں دب کر انسانیت زندہ رہنے میں ذلّت محسوس کر رہی تھی۔

آج سے ایک ہزار سال پہلے حضرت داتا گنج بخشؒ کا اپنے مرشدِ کامل کے حکم سے لاہور میں ورود اس امر کی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی اور حرفِ پیغام کے اندر وہ صلاحیت اور روشنی موجود تھی جو اس کفرزارِ ہند میں اسلامی تہذیب کی تخم ریزی کے اسرار ورموز سے پوری طرح آشنا تھی۔ اپنے وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ انھوں نے کشف المحجوب جیسی زندہ و پائندہ کتاب رحمتِ خداوندی کی آغوش میں بیٹھ کر لکھی۔ جس زمانے میں آپ نے لاہور میں شمعِ ہدایت روشن کی اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم

جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہ ہوا تھا۔ یہاں کی زبانیں اور پُر پیچ ثقافتی اقدار بھی ایک بہت بڑا چیلنج تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کی زبان میں حلاوت اور کردار میں اس قدر تاثیر تھی کہ جدھر نگاہ اُٹھاتے دلوں کی کایا پلٹ جاتی۔ اس کے پس منظر میں داتا صاحبؒ کا بلادِ اسلامیہ کا طویل سفر، تین سو کے قریب اُن بزرگان کی صحبت کا فیض کہ جو ایک ایک بزرگ پوری دنیا کے لیے کافی تھا، بزرگانِ دین کے سینکڑوں اقوال، دوسو چونتیس کے قریب آیاتِ قرآنی، ایک سو چونتیس احادیث اور برمحل عربی اشعار و محاورات اور اکابر صوفیا کے فرامین سبھی کچھ تو ہے جس نے مختلف خطوں کی ثقافتوں اور تہذیبوں کا مطالعہ کر کے اسلامی تہذیب و ثقافت کے خدوخال کو نمایاں کرنے کا موقع عطا کیا تھا۔

برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کتنی تہذیبوں اور ثقافتوں نے جنم لیا اور دم توڑا۔ مگر ہندو تہذیب کے سامنے اسلامی تہذیب اس لیے سرنگوں نہ ہو سکی کہ اس کا منبع معرفتِ الٰہی، توحید، ایمان، ارکانِ اسلام، انسانی فلسفۂ حیات اور تعلیماتِ رسول ﷺ تھیں۔ اس کی بنیاد اوصافِ حسنہ، صبر و قناعت، ایثار، سخاوت ہمت و استغنا، صداقت و اخلاص، انسان اور انسانیت نوازی کی اُن سچی اور تابناک مثالوں پر تھی، جو داتا صاحب جیسے بزرگوں کے فضل و شرف کی اصل برہان تھیں اور ان تمام اوصاف کو تحقیق و اجتہاد کی تائید حاصل تھی۔ لاہور تشریف لاتے ہی رائے راجو کو دولتِ ایمان سے سرفراز فرما کر شیخ ہندی کے لقب سے نوازا جانا اتنا بڑا کارنامہ تھا جس نے وطن پرستی کے تصور کو پاش پاش کر کے ملّت کی پاسداری کی راہیں ہموار کیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جس سے دوقومی نظریہ وجود میں آیا۔ اس طرح کا انقلاب برپا کرنا اسی شخص کا حصہ ہے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ نورِ ایمان سے ہر چیز کو دیکھتا ہو۔

داتا صاحبؒ نے کسی بھی علاقے کی مقامی تہذیبوں سے نہ تو ٹکر لی اور نہ انھیں اپنے مدِ مقابل آنے دیا۔ انھوں نے اپنا منشور اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے روشن باب مخلوقِ خدا کے سامنے پورے اعتماد اور اخلاص کے ساتھ رکھے، جس میں انسان کی دنیاوی و اُخروی بھلائی کا پیغام تھا۔ یہ وہ سچائی تھی جو سر چڑھ کر بول رہی تھی اور ایک ہزار سال ہونے کو آیا، آج بھی سر چڑھ کر بول رہی ہے۔ جس کی بنیاد رنگ نسل قومیت یا علاقائیت پر نہیں بلکہ احکاماتِ الٰہی پر ہے جس میں پوری کائنات خدا اور خدا کے نائب یعنی انسانِ کامل کے درمیان گھومتی ہے۔ اسی لیے داتا صاحبؒ اسلامی تہذیب و ثقافت کے ارتقا کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں کہ انسان بنیادی طور پر نیک، خدا پرست، دیندار اور صالح وجود کا مالک ہو، تب کہیں جا کر اس کے مخلصانہ نظریات عمل کی صورت اختیار کریں گے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہشتِ سماوی کے علاوہ بہشتِ ارضی کا وجود بھی ممکن ہے۔ بشرطیکہ آدمی صحیح معنوں میں انسان بن جائے یعنی وہ انسان جسے مسجودِ ملائک ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کی جناب میں گستاخی، فرشتہ خود خالق کو بھی پسند نہیں۔ (۱)

اسلامی تہذیب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک نظری اور دوسری عملی۔ نظری تعلق ان اصولوں سے

ہے جس سے دین کی تعلیمات وتشریعات اورنصب العین متعین ہوتا ہے یعنی خدا، فرشتوں، رسولوں، قرآن اور آخرت پر یقین جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ (۲)

یعنی اللہ کے رسولؐ اور مومنین اس پر ایمان لائے جو اسکے رب کی طرف سے ان پر اترا۔

﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ (وقف) لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ (وقف) وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا (وقف) غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ﴾ (۳)

یعنی سب اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اور انھوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور ہم نے تیری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اب اس نظریے کو جب تک عمل کی شکل نہ دی جائے اس کے وہ اثرات سامنے نہیں آتے جس سے کسی سماج خصوصاً اسلامی معاشرے کے خدوخال نمایاں ہوں۔ مومن پانچوں وقت نماز میں راہ ہدایت کے ساتھ ساتھ اپنے مومن بھائیوں کے لیے رحمت وسلامتی کی تمنا اور دعا تو کرتا ہے مگر اس کی عملی صورت تو اس کے اُس روّیے سے ہی سامنے آئے گی جو وہ معاشرے میں لوگوں کے ساتھ اختیار کرے گا جبکہ شرط یہ ہے کہ وہ رویہ خیر اور نیکی پر مبنی ہو۔ اور یہ اسی صورت ہو سکتا جب احکاماتِ خداوندی کو بجا طور پر عملاً تسلیم کیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں خیر کے عمل کو نظرانداز کرنے والوں کے لیے واضح وعید ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ O فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ O وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ O فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ O الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَO الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ O وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ O (۴)

یعنی کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہی تو ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں، جو دکھاوے (ریاکاری) سے کام لیتے ہیں اور معمولی چیز بھی مانگے سے نہیں دیتے۔

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نیت اور عمل کو اخلاص کی رسّی میں یکجا کرنا ضروری ہے تاکہ عبادت صرف رسمی نہ ہو بلکہ مسلمانوں کے نظامِ حیات کا وہ کاملاً حصہ بن جائے جو اسلامی تہذیب کی پہچان اور شناخت ہے۔ عقیدہ توحید ورسالت کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ تمام ارکان وہ ہیں جن کا عبادت ہونا اپنی جگہ مسلّم مگر ان کی تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی حیثیت سے بھی قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نماز اتحاد و یکانگت کے لیے امیر، غریب، کالے گورے، اپنے پرائے کا فرق مٹا دیتی ہے۔ محمود و ایاز کو ایک جیسی حیثیت میں لا کھڑا کرتی ہے جس سے تمیز رنگ ونسل بلحاظ عہدہ ومرتبہ ختم ہو کر برابری کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس دوسروں کی ان فطری ضرورتوں کو سمجھنے، حج اپنے تفاخر کو منہدم کر کے دوسروں کو احترام دینے اور زکوٰۃ، معاشرے کے

نظر انداز شدہ کمزور اور گرے پڑے افراد کو احساسِ زیست دینے کا عمل ہے۔ یوں ان ارکانِ اسلام کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ان میں سے کسی ایک کو بھی ساقط کر دیا جائے تو بساطِ زیست آراستہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے ان کا آپس میں عملی رابطہ ہمہ وقت قائم کرنے سے ہی اسلامی تہذیب وثقافت کی خوبصورت شکل نمایاں ہوتی ہے۔یہی وہ شکل ہے جس میں حقیقتاً ایک پابند اصول، پُرامن، خالص انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔جس میں محبت، اخوّت، مساوات، خیر خواہی، عزتِ نفس اور جمہوری روّیوں کی روح کارفرما رہتی ہے۔ان تمام حقائق کی اساس حضور رسالتمآب ﷺ کا وہ خطبہ حجتہ الوداع ہے جو آج پورے عالم انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔نوعِ انسانی اصلاً ایک ہے۔اسی لیے انسانی خون کی حُرمت اور عزّتِ نفس کو بنیاد بناتے ہوئے فرمایا گیا:

''نہ تو عربی کو عجمی پر کوئی فضلیت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر۔نہ سُرخ کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سرخ پر فوقیت ہے۔البتہ فوقیت اُسے ہے جو زیادہ نیک یعنی تقویٰ و پرہیزگاری والا ہو۔''(۵)

جب اسلامی تہذیب وثقافت میں تقویٰ کو اساس قرار دیا گیا ہے تو یہیں سے فرد کی خود احتسابی کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے کہ آیا اس کے تقویٰ کا فائدہ صرف اس کی ذات تک محدود ہے یا معاشرے کے افراد کو بھی اس کے خاطر خواہ ثمرات پہنچ رہے ہیں۔اگر معاشرہ کے افراد ہم عقیدہ ہیں تو وہ ملّت ہونے کے ناطے ''پیوستہ رَہ شجر سے امید بہار رکھ'' کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کریں گے اگر غیر مذہب ہیں تو اسلامی تہذیب وثقافت میں ان کے جمہوری حقوق کی نگہداشت سے بھی صرفِ نظر ممکن نہیں ہوگا۔

مختصراً اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کا مطلب صرف عبد اور معبود کا تعلق مضبوط کرنا ہی نہیں بلکہ اس بنیاد پر اُس دستورِ حیات کا قیام اور استحکام بھی ہے جس میں ایک عام انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر ملّت کی پاسداری سے ہوتے ہوئے فلاحی انسانی معاشرے کی تشکیل ہے جو رہتی دنیا تک اول تا آخر خیر ہی خیر کے رویوں سے عبارت ہو، تو غلط نہ ہوگا جس کی طرف بانیٔ سلسلہ نوشاہیہ حضرت حاجی محمد معروف بہ نوشہ گنج بخش (۱۰۱۴۔۱۱۰۳ھ)(۶) نے فرمایا تھا:

دردیشی کُل خیر پیارے درویشی کُل خیر
نہ درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں وَیر(۷)

اسلامی تہذیب کی فکری اساس میں یہ بات شامل ہے کہ ''زندگی'' ایک امانت ہے اور ایک بار ہی ملتی ہے۔اس امانت کا حساب آخرت میں بہرحال دینا ہوگا۔چنانچہ اسے بسر کرنے کے لیے کس قدر احتیاط، تقویٰ، پرہیزگاری اور عقل بیدار کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں داتا صاحبؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے:

''متاخرین صوفیاء میں میرے مرشدِ بحق، زینِ اوتاد شیخ عباد ابوالفضل حضرت محمد بن حسن ختلی رضی اللہ عنہ ہیں۔طریقت میں میری پیروی و اقتداء ان کے ساتھ ہے۔علم تفسیر وروایات کے زبردست عالم تھے اور تصوّف میں مسلکِ جنید بغدادی رکھتے تھے اور آپ حضرت حصریؒ

کے مرید تھے اور حضرت ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ رحمہم اللہ کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال عُزلت نشین رہ کر مخلوق خدا سے اپنا نام گم فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر آپ کا قیام ''جبلِ لکام'' میں رہا۔ کافی عمر پائی۔ آپ کی آیات و براہین بہت ہیں۔ میں نے اس مردِ خدا سے زیادہ بارُعب کوئی نہیں دیکھا۔'' (۸)

آپ نے یہ بھی لکھا ہے:

''آپ سے میں نے سنا کہ فرمایا' اَلدُّنیَا یَومٌ ولَنا فیه صَومٌ ٥ (۹)

یعنی دنیا مثل ایک دن کے ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔

اسلامی تہذیب جس کی تشکیل میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا اس میں بنی نوع انسان کی ''خدمت'' کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ضرورت مند کو کھانا کھلانے یعنی خدمت کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اسلام میں سب سے بہترین عمل کھانا کھلانا ہے''۔ (۱۰)

اس حقیقت سے روگردانی نہیں کی جاسکتی کہ بےعمل صوفیوں اور بےخلوص عالموں کے ناروا سلوک سے عوام الناس کی زندگی میں بھی بہت سی بدعادات پیدا ہو جاتی ہیں جس کی زیادتی سے تہذیبی رویوں میں بگاڑ آجاتا ہے جس سے مہمان اور میزبان دونوں کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ داتا صاحبؒ ایسی ہی ایک صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''مجھے اپنے سفروں میں مشقت اور رنج یہ نہیں کہ درگاہوں پر جاہل خادم، ناپاک مقیم کبھی مجھے خواجہ کے گھر کبھی دہقان کے گھر لے جاتے مگر میں باطن میں ان کے ساتھ کراہت سے جاتا اور بظاہر جوانمردی کرتا۔ جو بے طریقہ مقیم میرے ساتھ ایسا کرتا میں دل میں عہد کرتا کہ جب میں مقیم ہونگا تو اپنے مہمان کے ساتھ ایسا نہ کرونگا۔'' (۱۱)

اسلام میں مثبت تہذیبی و تمدنی روایت کا معاشرتی سطح پر خیال رکھنا مہمان اور میزبان دونوں کی ذمہ داری ہے۔ دونوں اپنی اپنی اخلاقی حدود وقیود میں رہیں گے تو مہمان نوازی اچھے اور خوشگوار تعلقات کے فروغ کا باعث ہوگی۔ مہمان اللہ کی رحمت خیال کیا جاتا ہے۔ اسے گھر والوں کے لیے زحمت بننے سے گریز کرنا چاہیے۔ روایت ہے کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوستوں کے ساتھ ریاضت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مہمان کا ورود ہوا۔ آپ نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور کھانا لا کے سامنے رکھا۔ اُس نے کہا اس کے علاوہ مجھے فلاں چیز درکار ہے۔ آپ نے اسے فرمایا تجھے بازار میں جانا چاہیے، تو بازاری آدمی ہے صاحبِ مسجد و حجرہ نہیں ہے۔ (۱۲)

اسلامی ثقافت کی پہچان ہے کہ بطور انسان خواہ وہ کسی حال میں ہو خدا کی مخلوق ہے اس سے خواہ مخواہ مخاصمت نہیں رکھی جاتی۔ اس کا ثمر یہ ہے کہ انسان غم اور فکر سے دامن بچا لیتا ہے جس سے امن بھائی چارے

اور سکون کی فضا جنم لیتی ہے۔حضرت سید علی ہجویریؒ نے اس سلسلے میں اپنے پیر و مرشد کے آخری ایام کا ایک واقعہ یوں نقل فرمایا ہے:

''جس روز حضرت کی وفات کا ذکر آیا آپ اس روز بیت الجن میں تھے یہ ایک گاؤں ہے جو دمشق اور بانیا رُود کے مابین ایک گھاٹی پر آباد ہے۔آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، اور مجھے ایک پیر بھائی سے رنج تھا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت کے ماتحت لوگوں میں ہوتا ہے، تو سرکار مجھ سے فرمانے لگے۔ بیٹا! تمہیں ایک عقیدہ بتاتا ہوں اگر تم اس پر قائم ہو گئے تو تمام جہانوں کے غموں سے آزاد ہو جاؤ گے۔یاد رکھو! ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پیدا کیا ہوا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز سے خصومت نہ رکھیں اور نہ کسی کی طرف سے دل میں رنج رکھیں۔''(۱۳)

اس کا صاف مفہوم یہی ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو سماجی و تہذیبی سطح پر سود مند رکھنا ہے۔ اسلامی تہذیب جس کی تشکیل میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا وہ حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کے طرزِ حیات سے ماخوذ ہے۔اس میں نوعِ انسانی کی خدمت بہ الفاظ دیگر مہمان نوازی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان بھائی دوسرے کو دعوت پر بلائے تو اسے قبول کرے۔ داتا صاحبؒ کہتے ہیں کہ میزبان کے پاس جب کوئی مسافر (مہمان) آئے تو نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اسے باعزت بٹھائے اور یہ سمجھے کہ یہ ضیفِ ابراہیمؑ کے اُن مکرّ مین میں سے ہے جو ابراہیمؑ کے پاس آتے تھے اور وہی تواضع کرے جو ابراہیمؑ اپنے مہمانوں کے ساتھ کرتے تھے اور جو کچھ حاضر ہو بے تکلف انھیں پیش کر دے۔(۱۴) (اس امر کی وضاحت کے لیے آپ نے حضرت ابراہیم خواصؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''ایک درویش نے ایک بار کوفہ سے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا تو راستہ میں حضرت ابراہیم خواصؒ سے ملاقات ہو گئی۔وہ اُن کی صحبت میں رہنے کا خواستگار ہوا۔آپ نے فرمایا: صحبت کے لیے امیری اور فرمانبرداری چاہیے۔تُو کیا چاہتا ہے۔امیر بنوں یا فرمانبردار۔اس نے عرض کیا آپ امیر بن جائیں۔آپ نے فرمایا تو میرا فرمانبردار ہوگا۔اگر ایسا ہے تو اب میرے حکم سے باہر نہ آنا۔درویش کہتا ہے کہ میں نے تسلیم کر لیا۔جب ہم اپنی پہلی منزل پر پہنچے تو انہوں نے مجھے حکم دیا بیٹھ جاؤ۔میں بیٹھ گیا۔انہوں نے کنویں سے پانی نکالا جو نہایت سرد تھا۔آپ نے لکڑیاں جمع کیں پانی گرم کیا اور جب میں ارادہ کرتا کہ یہ میں کام کروں تو حکم ملتا بیٹھ جا۔میں بیٹھ جاتا اور شرطِ حکم بجا لاتا تا شام ہوئی۔اتفاق سے سخت بارش ہو گئی۔آپ نے گدڑی مجھ پر ڈال دی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔مجھے شرم آتی تھی مگر شرطِ محبت کے ماتحت کچھ نہ کر سکتا تھا۔جب صبح ہوئی تو میں نے کہا شیخ! آج میں امیر بنتا ہوں۔

ابراہیم خواصؒ نے فرمایا اچھا۔ جب ہم دوسری منزل پر پہنچے حضرت نے وہی خدمات اپنے ذمے لیں۔ میں نے عرض کیا حضرت اب میں امیر ہوں۔ میرا حکم مانیے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ نافرمان ہے جو امیر کو اپنی خدمت کا حکم دے۔ حتیٰ کہ اس طرح مکّہ پہنچے۔ آخرش شرم کی وجہ سے میں حضرت کے پاس سے بھاگ آیا۔ حضرت نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا: بیٹا! تجھے لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی مصاحبت کرے جیسے میں نے تیرے ساتھ کی۔''(۱۵)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے برصغیر میں اسلامی تہذیب کی تشکیل کے لیے جن بنیادی تصورات واقدار کو کاشت کیا چونکہ ان کے بنیادی مصادر ومنابع قرآن حدیث، انبیاء سابقہ کی حیات کے واقعات اور بزرگان دین کی تعلیمات اور فرامین تھے اس لیے یہاں اسلامی تہذیب پوری توانائی سے ارتقاء پذیر ہونے میں کامیاب ہوئی جسے بعد میں آنے والے بزرگان دین، اولیائے کاملین اور علمائے حق نے فروغ دیا۔ اس نخلِ محبت واخوت کو ہر دور میں بارآور رکھنے والے قدسی نفوس کا شمار ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے چنانچہ حوالے کے طور پر ان میں سے چند بزرگوں کے فرمودات اور شعر بطور تبرک نذرِ قارئین ہیں۔

سید ہجویرؒ نے جس اسلامی ثقافت کی بات کی ہے اس کے مطابق بلاتمیز رنگ ونسل ہر ذی شعور کو صوری ومعنوی اخلاق ومحاسن کا حامل ہونا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ تین شخص جنت کی بُو تک نہ پائیں گے۔ ا۔ جھوٹ بولنے والا درویش، ۲۔ کنجوس اور ۳۔ خیانت کرنے والا۔ تہذیب وتمدن اور معاشرے میں یہ ناپسندیدہ عمل خیال کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان سے بنی نوع انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں شام کے قریب ایک شہر سے گزر ہوا جس کے باہر ایک غار تھی۔ اس میں ایک بزرگ سکونت پذیر تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ خوف الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت پوست نہ تھا بس ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو میں نے بتایا کہ بغداد سے۔ کہنے لگے ''درویش کی خدمت کرتے رہو تا کہ تمہیں ذوق درویشی حاصل ہو جائے۔(۱۶)

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہی کا فرمان ہے:

''اگر کوئی شخص اوراد ووظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجتمند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد ووظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے۔''(۱۷)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بقول ''بھوکوں کو سیر ہو کر کھانا کھلانا جوہر نفس ہے۔''(۱۸)

حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے ہاں جب دسترخوان وسیع بچھتا تو وہ مسافروں، درویشوں اور مخلوق خدا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ لگاتے اور فرماتے کہ مجھے اس سے کھانے کی صحیح لذت ملتی ہے۔(۱۹)

اسلامی تہذیب وثقافت میں یہ بات شامل ہے کہ اس کا علمبردار اپنے طور پر اپنے احوال، اپنے اقوال، اپنے افعال اور نفس کا محاسبہ خود کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ ایک مومن کو اپنے ماحول میں فیاضی کی صفت سے مالا مال ہونا چاہیے۔حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کو والد صاحب کے ترکے میں سات لاکھ نقد ملے تو انھوں نے ساری رقم ایک ہی دن میں غربا میں تقسیم کر دی۔کسی نے پوچھا کہ آپ کے والد اس رقم کو بوقت ضرورت غربا پر خرچ کرتے تھے آپ نے یکبارگی ساری رقم کیوں خرچ کر دی۔انھوں نے فرمایا! میرے والد گرامی دنیا پر غالب تھے،اس لیے تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میں اس دنیاوی مال کے سبب دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں،اس لیے ساری دولت اپنے سے دور کر دی۔(۲۰)

اسلامی تہذیب وثقافت کی بنیاد تواضع وخاکساری اور احترام آدم وآدمیت پر ہے۔حضرت بابا فریدؒ کے پاؤں میں تکلیف تھی۔چارپائی پر تشریف فرما تھے۔کچھ مریدین حاضر مجلس ہوئے تو ان سے معذرت کی کہ آپ لوگ نیچے اور میں مجبوراً اوپر بیٹھا ہوں۔(۲۱) بابا فریدؒ کا فرمان ہے:

''درویش کو چار باتیں اختیار کرنی چاہئیں:۱۔آنکھوں کو بند کر لے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھے۔۲۔کانوں کو بہرہ کر لے کہ جو باتیں سُننے کے لائق نہ ہوں نہ سُنے۔۳۔زبان گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہے۔پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو نہ جا سکے۔''(۲۲)

اسلامی ثقافت میں ہمسایوں کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں:

''ہمسایہ اگر قرضہ مانگے تو دے دو،اس کی جائز ضرورت پوری کرو،بیماری میں اس کی عیادت کرو،مصیبت میں غمخواری کرو،انتقال پر میت کے ساتھ جاؤ اور جنازہ میں شرکت کرو۔''(۲۳)

اسلامی ثقافت کی بنیاد ومنبع خداوندکریم کے احکامات،فضل اور سیرت رسولﷺ ہیں۔یعنی اپنے آپ کو ہر حال میں خدا اور رسولﷺ کے حکم کے تابع رکھو۔حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:''زبان خدا کی قدرت ہے۔اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی جو دونوں جہان کو پسند ہے۔''(۲۴)

اسلامی تہذیب ثقافت میں اتحاد واتفاق کو بہت بڑی برکت کہا گیا ہے۔خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغِ دہلی فرماتے ہیں:ایک دن صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہﷺ ہم کھانا کھاتے ہیں تو پیٹ نہیں بھرتا۔آپؐ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو۔عرض کیا ہاں ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے۔آپؐ نے فرمایا اکٹھا ہو کر کھایا کرو،پہلے بسم اللہ کہا کرو،اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔(۲۵)

سید جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کہتے ہیں کہ دعوت میں امیر غریب بلوانے میں فرق نہ کرو بلکہ سب کو بلایا کرو۔(۲۶)

عظیم صوفی حضرت سلطان باہوؒ نے کتنی خوبصورت بات کی ہے کہ انسان سب سے افضل ہے۔کوئی چیز انسان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی۔جو کچھ پیدا کیا گیا ہے سب انسان کے لیے کیا گیا ہے۔اس لیے انسان اور انسانیت نوازی سے ہی اسلامی ثقافت کا شجر بارآور رہ سکتا ہے۔(۲۷)

اسلامی تہذیب ذات پات کی بجائے تقویٰ وطہارت کو اپنی پہچان سمجھتی ہے۔ برصغیر کے معروف صوفی بزرگ حضرت سید بلھے شاہؒ نے ذات پات کے تفاخر کی نفی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

جیہڑا سانوں سید سدّے دوزخ ملن سزائیاں
جو کوئی سانوں رائیں آکھے بہشتی پینگھاں پائیاں (۲۸)

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ایم اے یزدانی:اسلوب نگارش (مقالہ) شامل الزادالخیر:محکمہ اوقاف ومذہبی امور پنجاب لاہور، اکتوبر، ۲۰۱۸ء، ص۱۸۲

(۲) القرآن:سورۃ البقرہ: آیت ۲۸۵

(۳) ایضاً: آیت ۲۸۵ (۴) القرآن۔سورۃ الماعون

(۵) خصوصی مقالہ محمدالرسول ﷺ:اردودائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۸۲ء، ص۶۴

(۶) عصمت اللہ زاہد ڈاکٹر:حضرت نوشہ گنج بخش حالات و آثار، مکتبہ نوشاہیہ سنگھوئی جہلم، ۲۰۰۹ء، ص۴۲۱

(۷) نوشہ گنج بخش:انتخاب گنج شریف، ص

(۸) سید علی ہجویری داتا گنج بخش:کشف المحجوب اردو ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، اکتوبر ۲۰۱۷ء، ص۳۳۲

(۹) ایضاً، ص۳۳۳ (۱۰) البخاری جلد احدیث ۱۲، ص۱۶ (۱۱) کشف المحجوب مذکور، ص۵۵۸

(۱۲) ایضاً، ۵۵۷ (۱۳) ایضاً، ص۳۳۳ (۱۴) ایضاً، ص۵۵۷

(۱۵) ایضاً، ص۵۵۴

(۱۶) سید صباح الدین عبدالرحمٰن: (مرتب) بزم صوفیہ؛ مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۴۹ء، ص۵۴

(۱۷) ایضاً (۱۸) ایضاً، ص۷۱ (۱۹) ایضاً، ص۹۴

(۲۰) ایضاً، ص۱۰۱ (۲۱) ایضاً، ص۱۳۶ (۲۲) ایضاً، ص۱۴۲

(۲۳) ایضاً، ص۲۳۰ (۲۴) ایضاً، ص۲۵ (۲۵) ایضاً، ص۳۱

(۲۶) ایضاً، ص۴۸۲

(۲۷) سلطان باہو:محکم الفقراء اور ترجمہ بحوالہ پنجاب کے صوفی دانشور، ص۱۵۳

(۲۸) بلھے شاہ:کلام بلھے شاہ؛ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد۔ پیکجز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۱۹